© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

محاورے کا لسانی مطالعہ

A Linguistic Study of Idiom

Abstract:

By: Dr. Arshad Mehmood Noshad

Idiom is an influential way of expression in society, which reflects socio-civic aspects of the society. It plays an important role to bridge up socially, present and the past.
This is an extract of Dr. Arshad Mehmood Noshad research work in which he explained, analysis with its history and the usage. He included his opinions in it successfully too.
During the procedure of analysis he concerned not only the cotemporaries also the old masters (in Urdu literature) too, like Hali, Sayed Ahmed Dehelvi, Shan-ul-Haque Haqqi, Gopi Chand Narang, Resheed Hasan Khan, Hasan Askari etc.
At last this is the kind of research work / thesis which has to be considered as an important addition in order of the said contex.

انسان فطرتاً تنوع پسند واقع ہوا ہے۔ ماحول کی یکسانیت اور کیفیت کی یک رنگی سے اس کی طبیعت زیادہ دیر ہم آہنگ نہیں رہ سکتی۔ وہ کوشش وکاوش سے اس یکسانیت اور یک رنگی کے جمود کو توڑ کر ہمہ رنگی کی کشادہ فضا میں داخل ہوجاتا ہے، جہاں اس کی طبیعت مظاہر کی رنگارنگی سے شادکام ہوتی ہے۔ تعقّل اور تدبّر کے اُوصاف اس کے خمیر میں گُندھے ہوئے ہیں اور نطق اس کا وسیلۂ اظہار ہے۔ یوں انسان عقل وشعور کے بل بُوتے پر احساسات، خیالات، تجربات، مشاہدات اور جذبات کی تشکیل کرتا ہے اور نطق کے وسیلے سے وہ انھیں اظہار کا لباس پہنا دیتا ہے۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا ذوقِ تنوع پسندی اس کے خیالات واحساسات اور تجربات و مشاہدات میں نت نئی صورتیں پیدا کرتا ہے اور اُنھیں رنگارنگ اسالیب کے ذریعے ظاہر کرنے کا جتن کرتا ہے۔ اس کوشش وکاوش کے نتیجے میں نئے نئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لسانی پیکر اور اسالیب وجود میں آتے ہیں۔ محاورہ بھی اس نوع کا ایک لسانی سانچا ہے۔ ذیل میں محاورے کے مفہوم، دائرۂ کار، تشکیل، ضرورت، افادیت اور اہمیت کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن غلط فہمیوں کی نشان دہی بھی کی جارہی ہے جو محاورے کے ضمن میں رواج پا چکی ہیں اور اب جنھیں مسلمات کی حیثیت حاصل ہے۔

محاورہ کے لغوی معنی باہمی گفتگو، بات چیت، مکالمہ، بول چال اور سوال و جواب کے ہیں۔ صاحبِ فرہنگِ آصفیہ نے "عادت، لپکا، مہارت، مشق اور ابھیاس" کو بھی محاورے کے ذیلی معانی میں شامل کیا ہے۔۱ محاورہ بطور اصطلاح اگرچہ عام فہم اور سادہ دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں دیگر اصطلاحاتِ ادب ولسان کی طرح ایک پیچیدہ اور مشکل اصطلاح ہے۔ اس کی پیچیدگی اور اشکال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ علمائے ادب ولسان نے اس کی تعریف میں روزمرہ کو بھی شامل کر دیا ہے۔ یوں محاورہ بہ طور اصطلاح روزمرہ کے لیے بھی مستعمل ہے اور الفاظ کے اُس مجموعے کے لیے بھی کہ جو اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہو۔ روزمرہ بہ ذاتِ خود ایک لسانی اصطلاح ہے اور بول چال کی اُس زبان کے لیے استعمال ہوتی ہے جس میں لفظ اپنے حقیقی یا وضعی معنوں میں برتے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس محاورہ مجازی اسلوبِ اظہار کی نمایندگی کرتا ہے اور اس میں مصادر، افعال اور اسما اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی اور غیر وضعی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یوں حقیقت اور مجاز کو یک جا کرنے سے محاورے کی اصطلاح غیر واضح اور پیچیدہ بن گئی ہے۔ ذیل میں علمائے ادب ولسانیات کی چند ایسی تعریفیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اس پیچیدگی اور اشکال کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

۱۔ مولانا الطاف حسین حالی:

> "اصطلاح میں خاص اہلِ زبان کے روزمرہ بول چال یا اسلوبِ بیان کا نام محاورہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ محاورہ تقریباً دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں پایا جائے۔ کیوں کہ مفرد الفاظ کو روزمرہ یا بول چال یا اسلوبِ بیان نہیں کہا جاتا۔ بہ خلاف لغت کے اس کا اطلاق ہمیشہ مفرد الفاظ پر یا ایسے الفاظ پر جو بہ منزلہ مفرد کے ہیں، کیا جاتا ہے۔ مثلاً: پانچ اور سات دو لفظ ہیں جن پر الگ الگ لغت کا اطلاق ہوسکتا ہے مگر ان میں سے ہر ایک کو محاورہ نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ دونوں کو ملا کر جب پان سات بولیں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تب محاورہ کہا جائے گا، یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ترکیب جس پر محاورہ کا اطلاق کیا جائے قیاسی نہ ہو بلکہ معلوم ہو کہ اہلِ زبان اس کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اگر پان سات یا سات آٹھ یا آٹھ سات پر قیاس کر کے چھ آٹھ یا آٹھ چھ یا سات نو بولا جائے گا تو اس کو محاورہ نہیں کہیں گے، کیوں کہ اہلِ زبان کبھی اس طرح نہیں بولتے یا مثلاً بلاناغہ پر قیاس کر کے اس کی جگہ بے ناغہ، ہر روز کی جگہ ہر دن، روز روز کی جگہ دن دن یا آئے دن کی جگہ آئے روز بولنا ان میں سے کسی کو محاورہ نہیں کہا جائے گا کیوں کہ یہ الفاظ اس طرح اہلِ زبان کی بول چال میں نہیں آتے ۰۰۰ کبھی محاورہ کا اطلاق خاص کر اُن افعال پر کیا جاتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں ۰۰۰ محاورہ کے جو معنی ہم نے اوّل بیان کیے ہیں وہ عام یعنی دوسرے میں بھی شامل ہیں لیکن دوسرے معنی کے لحاظ سے بھی محاورہ کہا جائے گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس ترتیب کو پہلے معنوں کے لحاظ سے محاورہ کہا جائے، اُس کو دوسرے معنوں کے لحاظ سے بھی محاورہ کہا جائے۔ مثلاً تین پانچ کرنا (یعنی جھگڑا ٹنٹا کرنا) اس کو دونوں معنوں کے لحاظ سے محاورہ کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ یہ ترکیب اہلِ زبان کی بول چال کے بھی موافق ہے اور نیز اس میں تین پانچ کا لفظ اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں بولا گیا ہے۔ لیکن روٹی کھانا یا میوہ کھانا یا پان سات یا دس بارہ وغیرہ صرف پہلے معنوں کے لحاظ سے محاورہ قرار پا سکتے ہیں، دوسرے معنوں کے لحاظ سے نہیں۔ کیوں کہ یہ تمام ترکیبیں اہلِ زبان کی بول چال کے موافق تو ضرور ہیں مگر ان میں کوئی لفظ مجازی معنوں میں مستعمل نہیں ہوا"۔ [۲]

اس طویل اقتباس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

الف: محاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں پایا جاتا ہے اور اس کا اطلاق مفرد لفظ پر نہیں ہوتا۔

ب: محاورے میں الفاظ کی ترتیب و ترکیب قیاسی نہیں ہوتی بلکہ اہلِ زبان کی ترتیب و ترکیب کے مطابق ہوتی ہے۔

ج: بلاناغہ، روز روز، آئے دن، ہر روز وغیرہ از روئے معنی اوّل محاورے ہیں۔

د: کبھی محاورہ کا اطلاق اُن افعال پر کیا جاتا ہے جو اسم کے ساتھ مل کر مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہ: پہلے معنی [یعنی لفظوں کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی ترتیب کے مطابق ہو] کے لحاظ سے جس کو محاورہ کہا جائے گا دوسرے معنوں [مجازی] کے لحاظ سے بھی وہ محاورہ ہو سکتا ہے۔

و: یہ ضروری نہیں کہ جس ترتیب کو پہلے معنوں کے لحاظ سے محاورہ کہا جائے اس کو دوسرے معنوں کے لحاظ سے بھی محاورہ کہا جائے۔

مندرجہ بالا نتائج کے تجزیے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مولانا حالی کے نزدیک محاورہ کی اصطلاح دوہرے معنی کی حامل ہے۔ ایک معنی حقیقی جب کہ دوسرے مجازی ہیں۔ گویا محاورہ کی اصطلاح میں روزمرہ بھی شامل ہے۔ مولانا حالی کا یہ کہنا مغالطہ انگیز ہے کہ: ''کبھی محاورہ کا اطلاق ان افعال پر بھی کیا جاتا ہے جو اسم کے ساتھ مل کر مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔'' ''کبھی'' کے استعمال سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اکثر یا ہمیشہ ایسا ہونا ثابت نہیں۔ جب کہ حقیقت اس کے سراسر اُلٹ ہے۔ اسما وافعال کے وہ مرکبات جو مجازی معنوں میں مستعمل ہوں ہمیشہ محاورہ کہلاتے ہیں۔ مولانا حالی کے اقتباس سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان میں سے آخری دو نتیجے معنوی طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اصل میں یہاں اُن سے سہو ہوا ہے۔ اُن کا مقصود یہ تھا کہ دوسرے معنوں کے لحاظ سے جس کو محاورہ کہا جائے گا وہ پہلے معنوں کے اعتبار سے بھی محاورہ کہلائے گا لیکن یہ ضروری نہیں کہ پہلے معنوں کے مطابق جو محاورہ ہے وہ دوسرے معنوں کے مطابق بھی محاورہ ہو۔ اس حوالے سے انھوں نے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ درست اور واضح ہیں۔

۲۔ سیّد احمد دہلوی:

> ''اصطلاحِ عام۔ روزمرہ، وہ کلمہ یا کلام جسے چند ثقات نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے واسطے مختص کر لیا ہو جیسے حیوان سے کل جاندار مقصود ہیں مگر محاورے میں غیر ذوی العقول پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ذوی العقول کو انسان کہتے ہیں''۔

سیّد احمد دہلوی نے بھی محاورے کے اصطلاحی معنی میں روزمرّہ کو شامل رکھا اور حقیقی یا مجازی دونوں طرح کے کلمہ یا کلام کو محاورہ قرار دیا ہے۔ مولانا حالی کے برعکس سیّد احمد دہلوی مفرد لفظ (کلمہ) پر بھی محاورے کے اطلاق کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اُن کی پیش کردہ مثال میں بھی مفرد لفظ ہی بہ طور محاورہ استعمال ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ شان الحق حقی:

"وہ فعلِ مرکب جو مخصوص معنی میں یا بلا تغیر اسی ترکیب کے ساتھ اہلِ زبان میں مستعمل ہو۔" ؎

حقی کی پیش کردہ تعریف بھی پیچیدہ اور قدرے مبہم ہے۔ اس تعریف میں موجود "یا" کے باعث یہ پیچیدگی جنم لے رہی ہے۔ موجودہ صورت میں یہ تعریف کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچاتی۔ "مخصوص معنی" سے مراد مجازی معنی ہیں "یا" کے استعمال کی وجہ سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ عام معنی (حقیقی) کا حامل فعلِ مرکب بھی محاورہ کہلاتا ہے۔

الغرض محاورہ اور روزمرّہ اگرچہ آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں اور محاورے کی تشکیل میں روزمرّہ سب سے اہم اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے تاہم اس گہرے تعلق کے باوجود دونوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے اور ایک دوسرے سے مختلف۔ روزمرّہ کا تعلق الفاظ کے حقیقی اور وضعی معنوں سے ہے جب کہ اس کے برعکس محاورہ الفاظ کے غیر حقیقی یا مجازی معنوں سے متعلق ہے۔ اس لیے محاورے کے اصطلاحی مفہوم میں روزمرّہ کو شامل نہیں کیا جانا چاہیے کیوں کہ اس طرح محاورے کا درست تعین ممکن نہیں رہتا۔ اصطلاحاتِ روزمرّہ محاورہ کی مؤثر تفہیم کے لیے سیّد قدرت نقوی کی یہ تعریف پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

"اگر الفاظ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہوں اور ترتیب و ترکیب، اہلِ زبان کے استعمال کے مطابق ہو تو اس کو اصطلاحاً روزمرّہ کہا جاتا ہے اور اگر مجازی معنوں میں مستعمل ہوں تو محاورہ، گویا محاورے میں بنیادی بات یہی ہے کہ اس کے الفاظ اہلِ زبان کی ترتیب و ترکیب کے مطابق مجازی معنی میں استعمال کیے گئے ہوں۔" ؎۵

محاورہ کس وقت تشکیل پاتا ہے؟ اس نوع کے بہ ظاہر آسان سوالوں کے جوابات حد درجہ مشکل ہوتے ہیں۔ مختلف لسانی پیکروں کی تشکیل کا صحیح وقت متعین کرنا ممکن نہیں رہتا۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ لفظ جب کثرتِ استعمال کے باعث بے رنگ اور پژمردہ ہو جاتے ہیں تب افرادِ معاشرہ نئے لفظوں کی تشکیل کر کے زبان کے ذخیرۂ لفظیات کو بڑھاتے ہیں اور ساتھ ساتھ پرانے لفظوں کو نئے لسانی پیکروں میں ڈھال کر اظہار و بیان کے نئے اسالیب وضع کرتے ہیں۔ یہیں سے مجاز کے سفر کا آغاز ہوتا ہے اور محاورہ اس سفر کا اوّلین سنگِ میل ہے۔ کیوں کہ محاورہ لسانی اعتبار سے روزمرّہ کے بہت قریب ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہیں کہ محاورہ یا دیگر اسالیبِ بیان کی تشکیل شعرا و ادبا اور لسانیات و قواعد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہرین نہیں کرتے بلکہ ان کی تعمیر و تشکیل میں عام افرادِ معاشرہ حصّہ لیتے ہیں اور یہ کام شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر رواں دواں رہتا ہے۔ یہ بات بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ محاورے کی تشکیل کے وقت اظہار و بیان کے دیگر وسیلے جیسے تشبیہ، استعارہ، کنایہ وغیرہ سرگرمِ عمل نہیں ہوتے۔ کیوں کہ ایک تو محاورے کو اُن پر زمانی تقدم حاصل ہے اور دوسرا یہ کہ اگر بیان کے یہ اسالیب پہلے سے موجود ہوں تو محاورے کا جواز باقی نہیں رہتا۔ اس لیے علمائے ادب ولسان کا یہ اصرار کہ ''محاورہ کی بنیاد تشبیہ، استعارہ یا کنایہ'' ۶ پر ہے، محلِ نظر ہے۔ اس میں شُبہ نہیں کہ ان تمام لسانی پیکروں کے ساتھ محاورے کا ایک لسانی رشتہ ہے لیکن یہ لسانی پیکر کسی صورت میں بھی اس کی تشکیل میں اساسی کردار ادا نہیں کرتے۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کا یہ کہنا کہ ''محاوروں کی بنیاد استعارے پر نہیں بلکہ تمثیل پر ہوتی ہے'' ۷، زیادہ قرینِ حقیقت ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ بھی اس معاملے میں پنڈت کیفی کے ہم نوا دکھائی دیتے ہیں۔ ۸

محاورے کے اجزائے ترکیبی میں مصادر، افعال اور اسماء شامل ہیں اور انھی کے اشتراک سے محاورہ وجود میں آتا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے محاورے کی مندرجہ ذیل چار اقسام ہوتی ہیں:

۱۔ ایسے مرکبات جن میں مصادر اور ان کے مشتقات (فعل) مجازی معنوں میں استعمال ہوں، جیسے: غم کھانا، دل جلانا وغیرہ۔

۲۔ ایسے مرکبات جن میں اسم مجازی معنوں میں استعمال ہو، جیسے: ہوا ہو جانا، لٹو ہونا وغیرہ۔

۳۔ ایسے مرکبات جن میں اسم اور فعل دونوں مجازی معنوں میں استعمال ہوں، جیسے خاک چاٹنا، لہو رلانا وغیرہ۔

۴۔ ایسے مرکبات جو دو افعال سے مل کر بنے ہوں محاورے میں شامل نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مرکبات میں محاورے کی حقیقی روح موجود ہوتی ہے۔ بہ قول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ:

> ''اگرچہ ہمارے علماء نے مرکب افعال کو محاوروں میں شامل نہیں کیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دو آزاد فعلیہ اجزا سے مل کر بننے والے مرکب افعال دراصل ایک طرح کے محاورے ہیں جو کثرتِ استعمال سے خاص معنی دینے لگتے ہیں مثلاً چل پڑنا، آجانا...وغیرہ''۔ ۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محاورہ اظہار و بیان کی بے رنگی کو ختم کر کے اُسے تازگی اور شگفتگی کے ذائقے سے سرشار کرتا ہے کیوں کہ اس کی تشکیل و تعمیر کا مقصدِ اولیٰ یہی ہے۔ محاورے کی شمولیت سے کلام اور گفتگو کی پژمردگی ختم ہو جاتی ہے اور تازہ کاری کی ایک نئی فضا خلق ہوتی ہے جو زبان کے بولنے والوں میں اظہار و بیان کی نئی صلاحیتیں پیدا کر دیتی ہے۔ محاورہ محض تازہ کاری کی فضا تخلیق نہیں کرتا بلکہ مختلف النوع کیفیات اور مفاہیم کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ کلام میں شامل کر دیتا ہے۔ کفایتِ لفظی میں اظہار و بیان کا اور کوئی وسیلہ محاورے کی ہم سری نہیں کر سکتا۔ رشید حسن خاں نے محاورے کو غیر تخلیقی چیز قرار دیتے ہوئے اسے معنی کے لحاظ سے نہایت درجہ متعین اور محدود قرار دیا ہے۔ ان کے بہ قول:

> ''محاورہ وہ ہے جسے ہم جامد استعارہ کہتے ہیں کہ استعارہ جو اپنی حرکت کھو دیتا ہے اور معنوی پائیداری اور رنگارنگی کھو دیتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ لفظ جب اپنی حرکت اور معنوی تہوں کو کھو دیتے ہیں اور ایک خاص مفہوم میں جم کر رہ جاتے ہیں، تب محاورے بنتے ہیں۔ اگر کوئی شخص زیادہ محاورے استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے ہاں تخلیقی الفاظ کی اسی نسبت سے کمی ہو گی اور کسی کتاب میں محاورے زیادہ استعمال ہوئے ہیں تو یہ بہت خوبی کی بات نہیں ہو گی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے بہت ساحصہ تحریر کا، گھیر لیا، اُن لفظوں نے جو اپنے معنی کے لحاظ سے نہایت درجہ متعین اور محدود ہیں۔ ان میں پھیلاؤ، وسعت اور تہ داری نہیں ہے جو الفاظ کا خاصہ ہونا چاہیے''۔ ١٠

محاورے کو جامد استعارہ اور غیر تخلیقی چیز قرار دینا اور اس کے معنی کو حد درجہ محدود و متعین ٹھہرانا، درست لسانی اپروچ نہیں۔ اگر محاورہ غیر تخلیقی چیز ہے اور اس کے معنی نہایت محدود و متعین ہیں تو پھر اس کی تعمیر و تشکیل کا کیا جواز ہے؟ محاورے کا صدیوں سے متواتر و مسلسل استعمال، کیا اُس کی تخلیقی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت نہیں؟ اگر محاورہ غیر تخلیقی چیز ہوتی تو کتنا عرصہ رواج پذیر رہتی؟ اس میں شبہ نہیں کہ محاورہ ایک خاص مفہوم کا حامل ہوتا ہے لیکن اس کا ہُنر مندانہ استعمال اِس میں معنی کی کئی پرتیں اور تہیں وضع کر دیتا ہے جو عام لفظ کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ڈاکٹر امیر اللہ شاہین نے درست کہا ہے کہ:

> ''محاورے کے اندر معنی کی مختلف تہیں اور پرتیں ہوتی ہیں وہ پرتیں اور تہیں جن کے ساتھ محاورہ سیکڑوں سالوں کے تجربے کے بعد سامنے آیا، اس کو نظر انداز کر دینا مناسب نہ ہو گا''۔ ١١

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محاورے کے ہُنر مندانہ استعمال سے اس کی تخلیقی شان ظاہر ہوتی ہے اور مفاہیم کی کئی پرتیں، الفاظ کے مختصر سے مجموعے میں سمٹ آتی ہیں۔ محاورے کا کمال یہ ہے کہ وہ پڑھنے اور سُننے والوں میں کیفیات کی وہ ہمہ رنگی پیدا کر دیتا ہے جو کلام کرنے والے نے اس میں ملفوف کر رکھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر غالب کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

گدا سمجھ کے وہ چُپ تھا، مری جو شامت آئے
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

غالب نے دو محاوروں ''شامت آنا'' اور ''قدم لینا'' کے ہُنر مندانہ اور تخلیقی استعمال سے کتنی تفصیلات کو دو مصرعوں میں قید کرلیا ہے۔ اب اس شعر کو پڑھنے والے ان محاوروں کے وسیلے سے ان تمام تفصیلات اور کیفیات سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ محاورات کے استعمال نے بیان کو جو خوب صورتی اور چُستی عطا کی ہے وہ اس پر مستزاد ہے۔ یہ بات درست ہے کہ محض محاورے کے استعمال کا شوق محاورے کے تخلیقی استعمال کا ضامن نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی لسانی یا ادبی فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے مگر یہ بات صرف محاورے کے ساتھ خاص نہیں، کوئی بھی لسانی پیکر جیسے تشبیہ، استعارہ، علامت، کنایہ وغیرہ اگر شوقِ فضول کے ہاتھوں کھلونا بن جائے تو اس کے استعمال کی غرض و غایت دم توڑ دیتی ہے۔ تخلیقی استعمال ہی ان پیکروں میں روح پیدا کرتا ہے اور انھیں زندگی اور توانائی کے جوہر سے متصف ٹھہراتا ہے۔

رشید حسن خاں محاورے کو شاعری کے لیے بے کار اور نثر کے لیے کارآمد خیال کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ:

''محاورہ نثر کے کام کی چیز زیادہ ہے، نظم کے کام کی چیز کم، کیوں کہ نظم میں اصل چیز ہوتی ہے لفظ کا تخلیقی استعمال اور محاورہ ایک غیر تخلیقی چیز ہے۔''[۱۲]

محاورہ نثر میں ہو یا نظم میں تخلیق کے حُسن کو جلا بخشتا ہے۔ اُردو زبان محاورات کے اعتبار سے امیر ورثے کی مالک ہے بلکہ پنڈت دتا تیریہ کیفی کے بقول تو ''اُردو میں محاورات کا ذخیرہ شاید تمام زبانوں سے زیادہ ہے۔''[۱۳] یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اردو کا قدیم شعری سرمایہ نثری سرمائے سے مقدار میں کئی گنا زیادہ ہے۔ ہمارے شعراء نے محاورے کے مسلسل و متواتر استعمال سے شعر و ادب کو معنی کی نئی لطافتوں سے ہم کنار کیا ہے۔ دبستانِ داغ سے وابستہ شعراء اور لکھنوی شعراء کے ہاں محاورے کے صناعانہ اور ہُنر مندانہ استعمال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باوجود یہ کہنا کہ محاورہ شاعری کے لیے زیادہ کارآمد نہیں، شاعری اور خود محاورے کے ساتھ زیادتی ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا یہ خیال مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے کہ ”اُردو میں محاورے کی کثرت اور تموّل کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ غزل کے شاعروں نے بہ طورِ خاص محاورے کے استعمال کو استحکام بخشا ہے اور اسے توسیع دی ہے۔“ ۴ا

محاورہ تہذیب کی کوکھ سے پھوٹتا ہے۔ لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی رویے، میلانات، عادتیں، عقاید و نظریات اور معمولات اس کے آئینے میں ہمیشہ جلوہ گر رہتے ہیں۔ محاورے کے مطالعے سے ہم قدیم ترین تہذیبوں اور معاشرتوں کے احوال سے آشنا ہوتے ہیں۔ محمد حسن عسکری محاورے کے تہذیبی خال و خط بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ”محاوروں میں اجتماعی زندگی کی تصویریں، سماج کے تصورات اور معتقدات، انسان، فطرت اور کائنات کے متعلق سماج کا روّیہ، یہ سب باتیں جھلکتی ہیں۔ محاورے صرف خوب صورت فقرے نہیں، یہ تو اجتماعی تجربے کے ٹکڑے ہیں جن میں سماج کی پوری شخصیت بستی ہے۔ محاورہ استعمال کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انفرادی تجربے کو اجتماعی تجربے کے پس منظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ محاورہ، فرد کو معاشرے میں گھلا دیتا ہے۔ تخصیص میں تعمیم اور تعمیم میں تخصیص پیدا کرتا ہے۔ محاورہ ہمیں بتاتا ہے کہ فرد کے ایک تجربے کو اس کے دوسرے تجربوں سے فرد کے تجربے کو سماج کے تجربے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ محاورہ جزو کو خالی جزو نہیں رہنے دیتا اُسے کُل میں ڈبوتا ہے۔“ ۵ا

محاورہ پُرتاثیر اور معنی خیز لسانی پیکر اور وسیلۂ اظہار ہے۔ اس کا مؤثر اور عمدہ استعمال، کلامِ نظم و نثر کی رعنائی و دل آویزی اور گفتگو کی چاشنی و دل کشی کا اظہار یہ ہے۔ یہ تہذیب و تمدن کا امین ہے اور عہدِ رفتہ کو حال اور مستقبل سے ملانے اور جوڑنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

حوالے:

ا۔ مولوی سیّد احمد دہلوی: ”فرہنگِ آصفیہ“ [جلد چہارم] طبع دوم، لاہور، اُردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۷ء، ص ۳۰۲۔

۲۔ ”مقدمۂ شعر و شاعری“: لکھنو، انوار المطابع، س ن، ص ۱۷۵۔۱۷۳۔

۳۔ ”فرہنگِ آصفیہ“ [جلد چہارم]، ص ۳۰۲۔

۴۔ ”فرہنگِ تلفظ“: اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، طبع اوّل، ۲۰۰۲ء، ص ۸۳۵۔

۵۔ ”لسانی مقالات“ [حصہ اوّل]، اسلام آباد، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، جون ۱۹۸۸ء، ص ۲۳۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

٦۔ دیکھیے: مولانا حالی: ''اکثر محاورات کی بنیاد اگر غور سے دیکھا جائے تو استعارہ ہی پر ہوتی ہے۔ کنایہ بھی زیادہ تر محاورات ہی کے ضمن میں استعمال ہوتا ہے''۔ مقدمۂ شعر و شاعری، ص ۱۷۱۔
سیّد قدرت نقوی: ''ہر محاورے میں بنیادی اور معنوی حیثیت سے مجاز، تشبیہ، استعارہ اور کنایہ کا ہونا ضروری ہے۔'' لسانی مقالات [حصّہ اوّل]، ص ۲۳۳۔

٧۔ ''کیفیہ'': دہلی، ۱۹۴۲ء، ص ۱۷۹۔

٨۔ اُردو زبان اور لسانیات، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۵۹۔

٩۔ ایضاً: ص ۵۷۔

١٠۔ ''لسانی مذاکرات'' مرتب: شیما مجید، مشمولہ: ''اُردو زبان میں محاورے کی اہمیت''، طبع اوّل، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص ۳۰۲۔

١١۔ ایضاً: ص ۳۰۳۔

١٢۔ ایضاً: ص ۳۱۳۔

١٣۔ ''کیفیہ''، ص ۱۷۹۔

١٤۔ ''اُردو زبان اور لسانیات''، ص ۶۰۔

١٥۔ ''مجموعہ''، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۸۔

کتابیات:

۱۔ حالی، الطاف حسین: ''مقدمۂ شعر و شاعری''، لکھنؤ، انوار المطابع، سنہ ندارد۔

۲۔ حقی، شان الحق: ''فرہنگِ تلفظ''، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء۔

۳۔ دہلوی احمد سیّد، مولوی: ''فرہنگِ آصفیہ''، جلد چہارم، طبع دوم، لاہور، اُردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۷ء۔

۴۔ رشید حسن خان (مضمون): اُردو زبان میں محاورے کی اہمیت مشمولہ ''لسانی مذاکرات''، مرتبہ شیما مجید، طبع اوّل، اسلام آباد ''مقتدرہ قومی زبان''، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ قدرت نقوی، سیّد، ''لسانی مقالات''، حصہ اوّل، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان، جون ۱۹۸۸ء

۶۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر: ''اُردو زبان اور لسانیات''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

o ------- o

© rasailojaraid.com